OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.8 Issue 9 June 2021

ڈی این اے ٹیسٹ اور شریعت کا اصولِ مصلحت

DNA Test & Principle of Expidiency in Shariah

Mehr Din
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract: Just as every human being has his own separate identity in form and appearance and is distinguished from other human beings in physical constitution, sound, color and form, in the same way, the cells that make up the human body also have separate identities and have certain characteristics and identities which are also inherited.Genetic Science, a branch of biology that has a number of revelations about a similar hereditary substance, DNA. In the present age of science and technology, through DNA not only the determination of lineage but also the identification of the perpetrators of adultery, murder and the identification of mutilated corpses is in accidents etc is done successfully. Undoubtedly, there is scope for DNA testing to be used in various spheres of life, but its purpose should not to be negate Islamic principles of evidence. This article deals with some issues related to DNA in the light of its suitability for justice and human society.

Key Word: DNA, Genetic Sciences, Islamic Principles of Evidence.

انسان تخلیق ربانی کا عظیم شاہکار ہے جس کے محجوب رازوں کو منکشف کرنے کے لیے جنیٹک سائنس اپنے روزِاول سے ہی کوشاں ہے۔ جس میں اسے کافی حد تک کامیابی بھی ملی ہے۔ انہی ملفف اسرار میں سے عصر حاضر میں ایک کو ڈی این اے (DNA) سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہر انسان صورت اور ظاہری خدوخال میں اپنی علیحدہ شناخت و پہچان رکھتا ہے اور جسمانی ساخت، آواز، رنگ و روپ میں دیگر انسانوں سے ممیز ہے۔ بالکل اسی طرح انسانی جسم جن خلیات سے تشکیل پاتا ہے وہ بھی علیحدہ شناخت و پہچان رکھتے ہیں اور کچھ خصوصیات اور تشخصات کے حامل ہیں جو موروثاً منتقل بھی ہو جاتے ہیں۔ علم حیاتیات کی شاخ علم التوارث (GENETIC SCIENCE) بھی ایک ایسے ہی موروثی مادے ڈی این اے کے بارے میں متعدد انکشافات رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ موجودہ سائنسی و ٹیکنالوجی کے دور میں نہ صرف نسب کے تعین بلکہ زنا کے مرتکبین , قتل وغارت وغیرہ کے مجرمین کی شناخت اور حادثات وغیرہ میں مسخ شدہ لاشوں کی پہچان میں بھی بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ بلاشک وشبہ ڈی این اے ٹیسٹ سے زندگی کے مختلف شعبوں میں استفادہ کی گنجائش موجود ہے لیکن اس کا مقصود شریعت کے اصول مصلحت کی روشنی میں جلب منفعت اور دفع مضرت ہونا چاہیے۔ اس کو کھیل تماشہ اور تسکینِ ذوق وشوق نہیں بنانا چاہیے۔ دور حاضر میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے حوالہ سے اس کے مصالح ومفاسد پر سیر حاصل بحث کی جائے اور شریعت کے اصول مصلحت کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت کا تعین کیا جائے تاکہ انسانی ضروریات کے پیش نظر اس سے استفادہ کی حدود قیود کو بآسانی سمجھا جاسکے۔ زیر نظر تحقیق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ڈی این اے ٹیسٹ کا تعارف

DNA (Deoxyribonucleic Acid) وہ مالیکیول ہوتے ہیں جو تمام زندہ اجسام میں پائے جاتے ہیں اور ان میں وہ تمام جنیاتی ہدایات تفصیلات درج ہوتی ہیں جن کے تحت زندہ اجسام نشوونما پاتے ہیں یعنی یہ ایک قسم کا ہدایت نامہ ہے جس میں بالوں اور چہرے کی رنگت سے لے کر ناک کی ساخت اور آنکھوں کی بناوٹ تک کی تفصیل موجود ہوتی ہے۔ ڈی این اے میں درج معلومات کو جنیٹک کوڈ کے ذریعے سمجھا جاتا ہے۔ ڈی این اے یعنی کہ ڈی آکسی رائبو نیوکلیک ایسڈ انسانوں اور تمام جانداروں کے جسم میں پایا جانے والا وراثتی مادہ ہے۔ انسانی جسم کی اکائی سیل یونی خلیہ ہوتی ہے۔ اس خلیے کے درمیان نیوکلئیس پایا جاتا ہے جس کے اندر ڈی این اے ہوتا ہے۔ انسانی جسم کے

تمام خلیوں میں ایک جیسا ہی ڈی این اے پایا جاتا ہے۔تاہم ہر انسان کا ڈی این اے دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ہر انسان اپنے ڈی این اے کا پچاس فیصد حصہ اپنی والدہ سے وصول کرتا ہے اور بقیہ پچاس فیصد والد سے۔ان دونوں ڈی این اے کے مخصوص مرکب سے انسان کا اپنا ڈی این اے بنتا ہے۔ڈی این اے میں انسان کے بارے میں سب معلومات ہوتی ہیں مثلاً اس کی جنس، بالوں کا رنگ، آنکھوں کا رنگ، سونے کے اوقات، عمر اور جسمانی ساخت وغیرہ۔اس کے علاوہ اس انسان کو کون کون سی بیماریاں لاحق ہیں، یہ بھی اس کے ڈی این اے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ڈی این اے ٹیسٹ کیسے کیا جاتا ہے؟ جس شخص کا بھی ڈی این اے ٹیسٹ مقصود ہو اس کا بال، خون، ہڈی اور گوشت یا ان میں سے کسی ایک چیز کا نمونہ لیا جاتا ہے۔سب سے پہلے انسانی خلیے میں سے ڈی این اے الگ کیا جاتا ہے اور پھر پولیمیریز چین ری ایکشن نامی طریقے کی مدد سے اس ڈی این اے کی لاکھوں کاپیاں بنالی جاتی ہیں۔ان لاکھوں کاپیوں کی مدد سے ڈی این اے کی جانچ بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ڈی این اے کو جانچنے کے بعد ڈی این اے فنگر پرنٹ بنایا جاتا ہے۔دو مختلف نمونوں کے ڈی این اے فنگر پرنٹ میں مماثلت دیکھ کر ان میں کسی تعلق کا تعین کیا جا سکتا ہے۔حادثات کی صورت میں جب لاش کی شناخت بالکل نا ممکن ہو تب ڈی این کے ذریعے ہی شناخت عمل میں لائی جاتی ہے۔ڈی این اے ٹیسٹ کی مدد سے جانچا جاتا ہے کہ اس لاش کا ڈی این اے کس خاندان سے مل رہا ہے۔ڈی این اے میں موجود جینیٹک کوڈ کے تقابلی جانچ سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ دو مختلف اشخاص میں کوئی خونی رشتہ ہے کہ نہیں۔[1]

دنیا میں سب سے پہلے امریکی نظام انصاف میں ڈی این اے تجزیے کا طریقہ 1987ء میں متعارف ہوا جب فلوریڈا سے تعلق رکھنے والے جنسی زیادتی کے ایک ملزم کا جرم ثابت کرنے کے لئے ڈی این اے کا طریقہ استعمال کیا گیا۔اس کے بعد اس ٹیسٹ پر بہت زیادہ انحصار کیا جانے لگا۔امریکہ کی تمام ریاستیں بشمول وفاقی اتھارٹیز اور امریکی ملٹری ڈی این اے سیمپلز کا ریکارڈ رکھتی ہیں۔امریکی ایف بی آئی نے اس حوالے سے ایک طاقتور نظام کمبائنڈ ڈی این اے انڈیکس سسٹم (CODIS) ترتیب دے رکھا ہے جس میں کئی ملین ڈی این اے سیمپلز کی تفصیلات موجود ہیں۔یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے پروفیسر برینڈن گیرٹ کے مطابق اس نظام کی بدولت 1994 سے 2002ء تک ایک لاکھ 40 ہزار افراد کو مجرم ثابت کیا جا چکا ہے جبکہ 1989 سے 269 افراد جن کے بارے میں مجرم ہونے کے دیگر ثبوت موجود تھے، اس طریقے کی مدد سے بے گناہ قرار پائے۔[2]

ڈی این اے ٹیسٹ کے مصالح

ڈی این اے ٹیسٹ کے متعدد مصالح ہیں جن سے کئی شعبہ زندگی میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں:

1۔ڈی این اے ٹیسٹ مجرمین کی تحقیق وشناخت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مجرم کی شناخت کے لئے ڈی این اے کی مدد سے مجرم کی شناخت آسانی سے کی جاسکتی ہے، اگر جائے وقوع سے مجرم کا بائیولوجیکل نمونہ ملے تو اس کا ڈی این اے حاصل کر کے مکمل رپورٹ مرتب کر لی جاتی ہے۔ اس ڈی این اے کو اس خاص کیس میں نامزد ملزمان کے ڈی این اے سے میچ کر کے مجرم کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔[3]

2۔حادثات کی صورت میں جب لاش کی شناخت بالکل ناممکن ہو تب ڈی این اے کے ذریعے ہی شناخت عمل میں لائی جاتی ہے۔ ڈی این اے ٹیسٹ کی مدد سے جانچا جاتا ہے کہ اس لاش کا ڈی این اے کس خاندان سے مل رہا ہے۔ ڈی این اے میں موجود جینیٹک کوڈ کی تقابلی جانچ سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ دو مختلف اشخاص میں کوئی خونی رشتہ ہے کہ نہیں اس لیے جھلسی ہوئی یا ناقابل شناخت لاشوں کے ڈی این اے نمونے لے کر دعویٰ دار لواحقین کے نمونوں سے ملائے جاتے ہیں۔ اگر جینیٹک کوڈ ایک جیسے ہوں تو خونی رشتہ ثابت ہو جاتا ہے اور لاش لواحقین کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ ڈی این اے ٹیسٹ کے بعد ابہام کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی۔[4]

3۔ والدین اور اولاد کی شناخت نیز ثبوت نسب جیسے مسائل میں اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ولدیت ثابت کرنے کے لئے اگر یہ جاننا ہو کہ کسی انسان کے حقیقی والدین کون ہیں تو اس انسان کا ولدیت کا دعوی کرنے والوں کے ساتھ ڈی این اے میچ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ اگر دونوں کے ڈی این اے میں مماثلت ہو تو ولدیت کا دعوی درست قرار پاتا ہے۔[5]

4۔ اگر کسی خاندان میں کوئی مخصوص بیماری ہو تو وہ اپنے بچوں کی پیدائش سے پہلے ڈی این اے ٹیسٹ کی مدد سے جان سکتے ہیں کہ ان کے بچے میں بھی یہ بیماری ہو گی یا نہیں۔۔ اگر کوئی اپنے آباؤاجداد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہے تو وہ بھی ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے ممکن ہے۔[6]

5۔زیادتی (زنا) کیس میں بھی ڈی این اے کیا جاتا ہے۔[7]

6۔ دنیا بھر کی عدالتوں میں اسے مختلف کیسز میں ایک شہادت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔[8]

7۔ سعودی عرب کے شہری کو والدین کے انتقال کے بعد شناختی کارڈ بنوانے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ لازمی کرانا ہوگا اس کے بعد ہی وہ وراثت میں حصہ دار ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔ اس قانون کے تحت مقررہ عمر تک پہنچنے کے بعد شناختی کارڈ بنوانا لازمی ہو گا اگر 20 سال کی عمر کو پہنچنے کے باوجود شناختی کارڈ نہ بنوایا تو والد اور اگر والد فوت ہو چکے ہیں تو بڑے بھائی سے بازپرس کی جائے گی۔

ڈی این اے ٹیسٹ کے مفاسد

1۔ اگر ٹیسٹ کرنے والے آلے یا تکنیک میں گڑبڑ ہو، ٹیسٹ کرنے والا ناتجربہ کار ہو یا ٹیسٹ کرتے ہوئے غلطی کر جائے تو اس

صورت میں رپورٹ غلط آنے کا امکان ہے۔

2۔ ٹیسٹ کے وقت جانچ کی چیزیں ادھر سے ادھر ہو جائیں جس کا علم ٹیسٹ کرنے والے کو نہ ہو سکے، تجربہ گاہ میں ایسا ممکن ہے جہاں ہزاروں لوگوں کے خون، پیشاب، منی اور آلات وغیرہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں تو اس صورت میں بھی رپورٹ میں غلطی کے قوی امکانات ہیں۔

3۔ دنیا کے سارے ٹیسٹوں کے متعلق عام طور سے ایسا تجربہ ہوا ہے کہ رپورٹ میں کچھ تھا اور حقیقت اس کے برعکس نکلی۔ مجھے ایک آدمی کی حقیقت معلوم ہے جس نے الٹراساؤنڈ سے جنین کا علم حاصل کیا رپورٹ میں لڑکی بتلائی گئی جب حمل ساقط کروایا تو پتہ چلا لڑکا تھا۔ تو ٹیسٹ خطا کر سکتا ہے اس وجہ سے اس پہ پورا انحصار نہیں کیا جائے گا۔[9]

4۔ اجتماعی عصمت دری میں آج بھی ڈی این اے ٹیسٹ کارگر نہیں ہے، ملے جلے سگنل کسی تیسرے شخص کی طرف بھی غلط نشاندہی کر سکتے ہیں۔

5۔ اگر ڈی این اے ٹیسٹ کو زنا کی حد قائم کرنے کے لئے معتبر اور کافی مان لیا جائے تو آج کے پر فتن دور میں جعلی ٹیسٹ رپورٹ بنوانا، پاکباز عورتوں پر تہمت لگانا اور رشوت دے کر رپورٹ تبدیل کرنا آسان ہو جائے گا۔

6۔ اگر ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو سزائے موت دیدی گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ ٹیسٹ جعلی تھا یا ٹیسٹ رپورٹ کسی وجہ سے غلط آئی تو جس کی جان گئی ہے وہ تو واپس نہیں آسکتی ہے۔ اسلام نے ناحق کسی کے قتل کرنے کو پوری انسانیت کے قتل کے مساوی قرار دیا ہے، وہ اسلام محض ڈی این اے ٹیسٹ پہ کسی کے قتل کا فیصلہ کیسے سنائے گا؟ جو ایسا فیصلہ کر رہے ہیں وہ فطری قانون کے خلاف بھی اور انسانیت کے حق میں بھی نہیں ہے۔[10]

شریعت کا اصول مصلحت

شریعت اسلامی کا ایک اہم اصول مصلحت ہے۔ اسلام دین فطرت ہے جس کے احکام تدریجاً نازل ہوئے جس سے عیاں ہے کہ مصالح العباد کی رعایت دین اسلام کا مقصد اوّل ہے۔ فرد اور معاشرے کی حقیقی مصلحت جس سطح پر بھی نمودار ہوتی ہے۔ تشریع اسلامی اس کی بھرپور رعایت و حمایت کرتی ہے۔ لیکن مصلحت وہی معتبر ہو گی جو شارع کی نظر میں واقعی مصلحت ہے۔ مصلحت کا لفظ ''صلاح'' سے ماخوذ ہے اور اس کی جمع مصالح آتی ہے۔ الصحاح میں مصلحت کے مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

الصلاح : ضد الفساد۔۔۔ والمصلحة واحدة المصالح والا ستصلاح نقيض الاستفساد۔ [11]

"صلاح فساد کی ضد اور مصلحت، مصالح کی واحد ہے اور استصلاح فساد دفع کرنے کی طلب ہے۔"

امام غزالیؒ مصلحت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

المصلحة فهى عبارة فى الاصل عن جلب منفعة او دفع مضرة ولسنا نعنى به ذلك، فان جلب المنفعة و دفع المضره مقاصد الخلق و صلاح الخلق فى تحصيل مقاصد هم لكنا نعنى بالمصلحة: المحافظة على مقصود الشرع، و مقصود الشرع من الخلق خمسة وهوان يحفظ عليهم دينهم ، و نفسهم و عقلهم ونسلهم ومالهم،

فكل مايتضمن حفظ هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة، وكل مايفوت هذه الاصول ، فهو مفسدة ودفعها مصلحة[12]

"مصلحت بنیادی طور پر حصول منفعت یا نقصان کو دور کرنے سے عبارت ہے۔ بلاشبہ حصول منفعت اور دفع مضرت مقاصد خلق میں سے ہے اور انسانوں کی بہتری و اصلاح اسی میں ہے کہ یہ مقاصد حاصل ہوں۔ مصلحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ شریعت کے مقاصد کا تحفظ کیا جائے، انسانوں سے متعلق شریعت کے پانچ مقاصد ہیں اور یہ وہ ہیں کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کا تحفظ کیا جائے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جس سے ان پانچ اصولوں کا تحفظ ہو وہ مصلحت ہے اور جس سے ان اصولوں کو نقصان پہنچے وہ مفسدہ ہے۔ ایسے مفسدہ کو دور کرنا مصلحت کہلاتا ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں ضرورت کا اعتبار کرتے ہوئے جلب مصلحت اور دفع مفسدہ کی صراحت کی ہے بلکہ مصالح کی بابت فکری تغلیظ کی نشاندہی کرتے ہوئے جلب مصلحت اور دفع مفسدہ و مضرت، ہر دو میں مصلحت ہی کی کارفرمائی پر غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے۔ ابن تیمیہؒ کے طرز عمل سے مصلحت کے اصول کے اطلاق کی ایک مثال ابن قیمؒ روایت کرتے ہیں:

سمعت شيخ الاسلام ابن تيمية قدس الله روحه و نور ضريحه بقول: مررت أنا و بعض اصحابى فى زمن التتار يقوم منهم يشربون الخمرا فأنكر عليهم من كان معى، فأنكرت عليه، وقلت له: انما حرم الله الخمر لا نها تصدعن ذكر الله و عن الصلاة، وهولا ء يصدهم الخمر عن قتل النفوس وسبى الذرية وأخذ الأموال فدعهم[13]

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ فتنہ تاتار کے زمانے میں میرا گزر تاتاریوں کے ایک گروہ پر ہوا جو شراب نوشی میں مشغول تھا۔ میرے ساتھیوں نے انہیں ملامت کرنا شروع کیا تو میں نے انہیں روکتے ہوئے کہا کہ اللہ نے شراب سے اس لیے منع کیا کہ وہ ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے مگر یہاں شراب ان کو قتل نفوس اور ظلم و ستم سے روکے ہوئے ہے لہٰذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

ڈی این اے ٹیسٹ سے استفادہ کی جہتیں

ڈی این اے ٹیسٹ سے استفادہ کی کئی جہتیں ہیں۔ عصر حاضر میں ان میں سے اثبات نسب، اثبات لعان، ثبوت زنا، اثبات قتل، اثبات عدالت و ثقاہت اور سعودی عرب میں شناختی کارڈ کی شرط نمایاں ہیں۔ ذیل کی سطور میں انہی کے لئے ڈی این اے ٹیسٹ سے استفادہ کا شریعت کے اصولِ مصلحت کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے:

(الف)اثبات نسب اور ڈی این اے ٹیسٹ

شریعت اسلامیہ کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کی بنیاد اثبات نسب پر ہے۔ میراث، محارم، نکاح اور کفاءت وغیرہ کے ابواب میں بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق براہ راست ثبوت نسب کے مسئلے سے ہے۔ اسی لئے "الدین یسر" کے پیش نظر، شریعت نے ثبوت نسب جیسے اہم مسئلہ کا دار و مدار غلبہ ظن پر رکھا ہے۔ حنفی فقہاء نے لاتعداد مسائل میں یہی اصول پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا ہے، اگرچہ امام شافعیؒ کا اس سلسلہ میں اختلاف منقول ہے، مفتی عمیم الاحسان مجددی لکھتے ہیں:

الاصل عندنا ان العبرة فی ثبوت النسب بصحة الفراش و کون الزوج من اهله لا بالتمكن من الوطی حقیقة ، و عند الشافعی العبرة فی النسب للتمكن من الوطی حقیقة[14]

یہ اصول مشہور حدیث سے مستنبط کیا گیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((الولد للفراش و للعا هر الحجر)) [15]

"بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔"

فراش ثبوت نسب کی دلیل

مذکورہ حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ثبوت فراش سے ثبوت نسب کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ گویا کہ فقہاء نے ثبوت فراش کو ثبوت نسب کی دلیل مانا ہے۔ لیکن یہ دلیل خود اپنے ثبوت کی محتاج ہے۔ فراش اس وقت تک ثبوت نسب کی دلیل نہیں بن سکتا، جب تک خود فراش کو ثابت نہ کر دیا جائے۔ فرش جو دراصل زوجین کے درمیان پائے جانے والے خاص تعلق کی ترجمانی کرتا ہے، ایک ایسا امر ہے جس کو ثابت کرنے کے لیے کسی پختہ ثبوت کو پیش کرنا ناممکن ہے، اسی لیے فقہاء اسلام نے علی اختلاف الاقوال اثبات فراش کے لیے ایسے امور کا بھی اعتبار کیا ہے، جن پر عام مسائل میں بھروسہ نہیں

کیا جا سکتا۔ ایسے امور پر اعتماد کرنے کا مقصد ہر گز مجرموں کی پردہ دری نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد ان کے جرم کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کو ان کے حقوق دلانا ہے۔

وہ امور جن پر فقہاء نے اثبات فراش کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔ بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔ ازواجی زندگی یا نکاح　　۲۔ بینہ یا شہادت　　۳۔ اقرار　　۴۔ قیافہ

فقہ اسلامی کی روشنی میں ان امور کا بالتفصیل جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نکاح سے ثبوت فراش

اگر نکاح ثابت ہو جائے تو فراش بھی ثابت ہو جاتا ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ نکاح کے بعد قدرت علی الوطی نہیں پائی گئی تو امام شافعیؒ کے نزدیک یہ فراش ثبوت نسب کے لئے کافی نہیں ہے جبکہ حنفیہ نے محض ثبوت نکاح کو دلیل فراش کے طور پر قبول کیا ہے، قدرت یا عدم قدرت علی الوطی کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

> فصل،ومنها:ثبوت النسب و ان كان ذلك حكم الدخول حقيقته لكن سببه الظاهرموالنكاح لكون الدخول امراء باطنا، فيقام النكا ح مقامه فى اثبات النسب و لهذا قال النبى ﷺ الولد للفراش و للعاهر الحجر" و كذا لو تزوج المشر ق بمغربية فجاء ت بولديثبت النسب و من لم يوجد الدخول حقيقة لوجود سببه وهو النكاح[16]

امام شافعیؒ کا مذہب بیان کرتے ہوئے صاحب روضۃ الطالبین فرماتے ہیں:

> فاما فى النكا ح الصحيح فامكان الوط ء كاف فى ثبوت النسب ، و يجب به مهر المثل فى النكاح الفاسد قطعا ، ويستقر به المسمى فى النكاح الصحيح على المذهب[17]

ثبوت فراش کے لئے نکاح کا ثبوت سب سے بڑا عامل ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک تو واضح طور پر اس کا دار و مدار غلبہ ظن پر ہے، حتی کہ مشرق میں رہنے والے مرد کا مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح ہو جائے اور چھ ماہ کی مدت میں اس عورت کے یہاں اولاد ہو تو شوہر سے اس کا نسب ثابت ہو گا، اگرچہ ظاہری طور پر دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگرچہ قدرت علی الوطی ثبوت نسب کے لئے شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، مگر قدرت علی الوطی کی شرط لگانے کے باوجود بھی غلبہ ظن کا عنصر پھر بھی غالب رہتاہے،اس لئے کہ نکاح کے بعد اگرچہ قدرت علی الوطی پائی گئی، لیکن یہ کیا ضروری ہے دونوں کے درمیان ملاقات ہوئی ہو اور حمل ٹھہر گیا ہو۔ الغرض دونوں ہی مذاہب میں اثبات فراش کے سب سے مضبوط عامل ""نکاح"" میں غلبہ ظن کا عنصر کسی نہ کسی صورت میں غالب ہے، فرق اتنا ہے کہ حنفیہ کے یہاں یہ عنصر واضح طور پر موجود ہے۔

شہادت سے اثبات فراش

فقہاء کے نزدیک اثبات فراش کے لئے دوسرا اہم ثبوت شہادت ہے۔ شہادت کا مسئلہ ان مسائل سے تعلق رکھتا ہے جن میں اسلام نے ذرا بھی لچک نہیں رکھی ہے، چناچہ شہادت کی اہلیت کے لئے سخت سے سخت شرائط رکھی گئی ہیں، لیکن اثبات فراش کے لئے شہادت کا مسئلہ آتا ہے تو قوانین کی وہ سختی باقی نہیں رہتی جو عام طور پر دیگر مسائل کے تعلق سے ملتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں دو مردوں یا دو عورتوں کی شہادت کا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو ایک عورت کی گواہی بھی جمہور کے نزدیک معتبر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں علامہ کاسانیؒ حنفیہ کا مذہب یوں بیان کرتے ہیں:

> واما الثانی و ھو بیان ما یثبت به نسب ولد المعتدة ای یظھر به، فجملة الكلام فيه انالمراةاذا ادعت انها ولدت هذا الولد لستة اشهر فان صدقها الزوج فقد ثبت ولادتها سواءكانت منكوحة او معتدة و ان كذبها تثبت ولادتها بشهادة امرءة واحدة ثقة عند اصحابنا و يثبت نسبه منه حتى لو نفاه يلاعن[18]

اس سے اختلاف کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قابلہ کی شہادت ثبوت فراش یا ثبوت نسب کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ ایسے مور میں جن میں مرد گواہی نہیں دے سکتے، چار عورتوں کہ گواہی ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں:

> لا يجوز على الولادته ولا شى ء مما تجو ز فيه شهادته النساء مما يغيب عن الرجال الا اربع نسوةعدول[19]

اس سلسلہ میں حنابلہ کا قول بھی حنفیہ کی موافقت کرتا ہے، امام ابن قدامہ حنابلہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ویقبل فیما لا یطع علیه الرجال مثل الرضاع ا لولادة والحیض و العدة وما اشبهها شهادة امرءة عدل[20]

امام مالکؒ نے اگرچہ ایک عورت کی شہادت پر اکتفا نہیں کیا ہے، مگر نصاب شہادت کی تکمیل کی بھی شرط نہیں لگائی ہے، ان کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ثبوت نسب کے لئے کافی ہے۔[21]

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جمہور فقہاء نے اثبات فراش کے تعلق سے دی جانے والی گواہی میں نصاب اور شہادت کا اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ غلبہ ظن کے عنصر کو قبول کرتے ہوئے ایسی شہادت کو معتبر مانا ہے جو عام طور پر دیگر مسائل میں معتبر نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اثبات فراش کا دوسرا عامل بھی اتنا ٹھوس اور پختہ نہیں ہے، بلکہ اس کا دار و مدار بھی غلبہ ظن پر ہے۔

اقرار بالنسب سے اثبات فراش

اثبات فراش کا تیسرا عامل اقرار بالنسب ہے، فقہ اسلامی میں عام طور پر اقرار بالنسب کی دو صورتیں ملتی ہیں:

۱۔ مقر کا نسب کو اپنے سے ثابت کرنا ۲۔ مقر کا نسب کو دوسرے سے ثابت کرنا۔

پہلی صورت میں شریعت نے مقر کے اقرار کے عقلاً و شرعاً ممکن ہونے کی صورت میں درست مانا ہے اور مقر سے کسی بھی قسم کے بینہ یا ثبوت کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ امام قدوریؒ اس مسئلہ کو کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

و من اقر بغلام یولد مثله لمثله، و لیس له نسب معروف انه ابنه و صدقه الغلام ثبت نسبه منه و ان کان مریضاویشارک الورثة فی المیراث[22]

کسی نے ایک لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہو سکتا ہو اور اس لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو گا اگرچہ آدمی بیمار ہو۔ اور میراث میں ورثہ کے شریک ہو گا۔"

دوسری صورت میں جبکہ مقر اپنے سے نسب ثابت کرنے کے بجائے دوسرے سے ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً وہ کسی کے بارے میں یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بھائی ہے، اس صورت میں جہاں وہ اپنے لیے اخوت کا اقرار کر رہا ہے وہیں اپنے والد سے اس کا نسب بھی ثابت کر رہا ہے، اس صورت میں کیونکہ دوسروں کے حقوق میں تصرف کی گنجائش نکلتی ہے، اس لیے جمہور آئمہ نے ملحق بہ (باپ) کی تصدیق یا شہادت کے بغیر ایسے اقرار کو قبول نہیں کیا ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں اس مسئلہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ومن مات ابوه فاقر باخ لم ثبت نسب اخيه لما بينا و يشار كه فى الميراث[23]

ابن عبدالبر، امام مالک کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن اقر باخ و انكره اخو ته ، لم ياخذ من نصيب من جحده شيئاولم يثبت نسبه[24]

حنابلہ کے مذہب کو بیان کرتے ہوئے ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

و جملةذلک ان احد الوارثين اذا اقر بوارث ثالث مشارک لهما فى الميراث لم يثبت النسب بالاجماع[25]

جمہور کے بر خلاف فقہاء شافعی نے ایسے اقرار کو بھی معتبر مانا ہے، چنانچہ علامہ خطیب الشربینی اپنی کتاب "مغنی المحتاج" میں فرماتے ہیں:

واما اذا الحق النسب بغيرہم من يتعدى النسب منه الى نفسه كهذا اخى .... فيثبت نسبه من الملحق به اذا كان رجلا [26]

اس تیسرے عامل اقرار بالنسب میں بھی، اثبات فراش کے لیے دراصل غلبہ ظن ہی کار فرما ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاح کی عدم شہرت، گواہوں کے فقدان اور کسی دوسرے قرینہ کے نہ ہونے کے باوجود محض اس بنیاد پر اقرار کا اعتبار کر لیا جاتا ہے کہ مقر خواہ مخواہ اپنے ورثاء کی تعداد میں اضافہ نہیں کرنا چاہے گا، اس لیے ایسا اقرار کرنے والا عموماً سچ ہی بولا کرتا ہے۔ البتہ اگر اقرار دوسرے سے نسب ثابت کرنے کے حوالہ سے ہو تو غلبہ ظن معتبر نہیں ہوگا۔

قیافہ کے ذریعہ اثبات فراش

قیافہ بھی اثبات فراش کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل ہے۔ قیافہ "قوف" سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں علامات کا جاننا ابن منظور، لسان العرب میں لکھتے ہیں:

القائف:الذى يعرف الاثار والجمع القافة ، يقال:قفت اثره اذا تبعته[27]

اگر یہ کہا جائے کہ قیافہ لفظ ظن کا مترادف ہے تو غلط نہ ہوگا، اس لیے کہ قائف انسان کے جسم میں موجود کچھ ایسی علامتوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کا باپ کون ہے۔ علم قیافہ کوئی یقینی علم نہیں ہے، بلکہ تجربات مشاہدات پر مبنی مہارت کا

نام ہے، جس میں خطا کا امکان بہت حد تک موجود ہے اس کے باوجود فقہاء حنفیہ کے استثناء کے ساتھ تمام فقہاء نے ثبوت نسب میں قیافہ کو معتبر مانا ہے۔

منار السبیل میں حنابلہ کے مذہب کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وان ادعاه اثنان فاكثر معا قدم من له بينة لا نها علامة واضحة على اظهار الحق ، فان لم تكن بينة لا حدهم او تساووافيها،عرض على القا فة وهم قو م يعرفون الانساب بالشبه ولا يختص ذلک بقبيلة معينة ، بل من عرفت منه معر فة ذلک و تكررت منه الاصابة فهو قائف[28]

ابن عبد البر القرطبیؒ امام مالک کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وروى ابن القاسم و معن بن عيسى عن مالک ان القائف العدل معمول بقوله[29]

حنفی مذہب میں ثبوت نسب میں قیافہ پر اعتبار نہیں کیا گیا، اس ضمن میں السرخسی لکھتے ہیں:

وحجتنا فى ابطال المصير الى قول القا ئف ان الله تعالى شرع حكم اللعان بين الزوجين ثم نفى النسب ولم يامر با لرجوع الى قول القا ئف ، فلو كا ن قو له حجة لامر بالمصير اليه[30]

مذکورہ بالا بحث سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی متعینہ مسئلہ میں اگرچہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہو، مگر قدر مشترک کے طور پر سبھی فقہاء ثبوت فراش میں غلبہ ظن پر اعتبار کرتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ کسی نے قیافہ کے مسئلہ میں اس پر اعتماد کیا ہے، تو کسی نے شہادت کے مسئلہ میں اسے معتبر مانا ہے۔ یہاں کئی سوال ابھرتے ہیں کہ اگر کوئی طریقہ ایسا ہو جس کی بنیاد غلبہ ظن کے بجائے یقین پر ہو (جیسے ڈی این اے) تو کیا اس کو ثبوت فراش کے لیے دلیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ثبوت نسب کے مسئلہ میں ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مشہور فقہی ضابطے کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ علامہ سیوطی اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں فرماتے ہیں:

الاصل فى الاشياء الاباحة حتى يدل الدليل على التحريم و هذا مذهبنا[31]

جلال الدین سیوطیؒ نے اگرچہ حنفیہ کا اس ضابطہ کے سلسلہ میں اختلاف نقل کیا ہے، مگر مفتی عمیم الاحسان مجددی نے اپنی کتاب ''قواعد الفقہ'' میں فقہاء حنفیہ کے نزدیک معمول بہا ضابطوں کی فہرست میں اس قاعدے کو بھی درج کیا ہے۔[32]

یہ طریقہ کار بظاہر کسی مکروہ یا حرام امر پر مشتمل نہیں ہے، اس بناپر اس نظام کو اپنانا شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہوگا۔ اس طرح یہ بات بھی پایا ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ میں اشتباہ کا امکان نہیں ہے، الا یہ کہ دو جڑواں بھائیوں کو اگر اس ٹیسٹ سے گزارا جائے تو اشتباہ ممکن ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس مادی اور مضبوط دلیل کی شریعت کی نظر میں کوئی اہمیت ہونی چاہئے اور کیا اس مادی دلیل کی بنیاد پر نسب ثابت ہو سکتا ہے؟ ان سوالوں کے جواب سے پہلے ابن قیم الجوزی کا قول ذکر کرنا مناسب ہوگا جس میں انہوں نے مادی دلائل کے حوالے سے آئمہ اور خلفاء کے طریقہ کار کے بارے میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لم يزل الائمة والفقهاءيحكمون بل لقطع اذا وجد المال المسروق مع المتهم، وهذه القرينة اقوى من البينة والاقرار، فانهما خبر ان يتطرق اليهما الصدق والكذب، ووجود المال معه نص صريح لا يتطرق اليه شبهة۔[33]

ابن قیمؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں مادی دلیل کو شہادت واقرار سے بھی مضبوط دلیل مانا ہے، اور ایسی دلیل کو قبول کرنے کے حوالے سے ائمہ وفقہاء کا تعامل نقل فرمایا ہے۔ ثبوت نسب کا مسئلہ غلبہ ظن اور شبہ پر مبنی ہے، اس لئے ڈی این اے ٹیسٹ جیسے یقینی نظام پر بدرجہ اولی اعتماد کیا جانا چاہیے۔

اثبات نسب میں اقرار، شہادت اور ڈی این اے ٹیسٹ، وجہ ترجیح؟

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ثبوت نسب کا دار ومدار غلبہ ظن پر ہے، اور ڈی این اے ٹیسٹ ایک قوی تر دلیل ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شہادت اور اقرار کی حجیت منصوص ہے اس لیے:

1۔ اگر کوئی شخص کسی کا نسب اپنے سے ثابت کرنا چاہے اور اس کا اقرار کرے اور مقرلہ اس کی تصدیق بھی کرے یا یہ کہ وہ اتنا چھوٹا ہو کہ تصدیق کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا ہو اور عقلاً و شرعاً اقرار ممکن بھی ہو تو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ڈی این اے ٹیسٹ نہیں کرایا جانا چاہیے۔

2۔ اگر کوئی دوسرے سے نسب ثابت کرے، مثلاً یہ اقرار کرے کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے، تو جمہور کے مذہب کے مطابق اگر اس کے پاس بینہ اور شہادت موجود ہے تو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا، لیکن اگر شہادت موجود نہیں ہے، تو شریعت کے اصولِ مصلحت کے تحت ڈی این اے ٹیسٹ جیسی یقینی چیز پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

3۔ شہادت اور اقرار کے منصوص حجت ہونے کی وجہ سے ڈی این اے ٹیسٹ کے نتیجہ اور شہادت و اقرار کے درمیان تعارض ہو تو شہادت اور اقرار کو ترجیح دینی چاہیے۔

4۔ اگر دو اشخاص کسی بچہ کے نسب کے بارے میں اختلاف کریں اور دونوں کے پاس بینہ ہو تو بجائے قائف پر اعتماد کرنے یا دونوں سے نسبت ثابت کرنے کے ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

غرض یہ کہ اقرار و شہادت کا منصوص حجت ہونا، ان کے لیے وجہ ترجیح ہے، لہذا عدم تعارض کے وقت ان کے مطابق فیصلہ کیا جانا چاہیے، جبکہ تعارض کے وقت ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

(ب)لعان میں ڈی این اے ٹیسٹ کی حیثیت

شوہر کا اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کی صورت میں شریعت نے لعان کی اجازت دی ہے، لیکن یہ اجازت بھی دراصل مشروط ہے، سورۃ النور میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلآَّ أَنفُسُهُمْ ﴾[34]

قرآن نے شہادت و بینہ نہ ہونے کی صورت میں لعان کا طریقہ بتایا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈی این اے ٹیسٹ لعان میں مؤثر ہے یا نہیں؟ کیا اس دلیل پر اعتما کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے لعان کا مقصد جاننا ضروری ہے ،شوہر اگر لعان کرنا

چاہتا ہے تو اس کے پیش نظر دو مقاصد ہو سکتے ہیں:

ا۔ بیوی کے زنا میں ملوث ہونے کو ثابت کرنا

ایسی صورت میں شوہر کے لیے لعان کی تمام قسمیں کھانا ضروری ہے، اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے یا مکمل قسمیں نہیں کھاتا، تو جمہور کے نزدیک اس پر حد جاری ہو گی، جبکہ فقہاء حنفیہ کی رائے کے مطابق اس کو قید کر دیا جائے گا، تا آنکہ وہ اپنی تکذیب کرے یا پھر لعان کرے۔

۲۔ بچہ کے نسب کا انکار کرنا

اس صورت میں فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صرف مرد قسم کھائے گا، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کا مشہور قول یہ ہے کہ زوجین میں سے دونوں کے لیے قسمیں کھانا ضروری ہے، اس وقت تک نسب کا انکار ممکن نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک دونوں قسموں کے ساتھ ساتھ قاضی کا فیصلہ بھی ضروری ہے۔

شوہر کے نزدیک لعان کا مقصد اگر بیوی کے زنا میں ملوث ہونے کو ثابت کرنا ہے، تو ڈی این اے ٹیسٹ کی اس صورت میں شرعی حیثیت کے بارے میں آگے گفتگو کی جائے گی، البتہ اگر مقصد بچہ کے نسب کا انکار کرنا ہے تو شہادت نہ ہونے کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کا جا سکتا ہے، لہذا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بچہ اسی شوہر کا ہے یا یہ کہ اس کا نہیں ہے، دونوں صورتوں میں شوہر کو لعان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ بیوی کو ابھی بھی اپنا دفاع کرنے کے لیے لعان کا حق ہو گا۔ لیکن اگر شوہر کے پیش نظر پہلا مقصد ہے، یعنی بیوی پر زنا کا الزام ثابت کرنا، تو کیا ڈی این اے ٹیسٹ کی گواہی شرعاً معتبر ہو گی یا نہیں؟ ذیل میں اس پہلو کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(ج) ثبوت زنا اور ڈی این اے ٹیسٹ

حد جاری کرنے کے لیے شریعت جو شرائط ضروری قرار دی ہیں، ان میں نہایت احتیاط برتنے پر زور دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ذرا سے شبہے کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔ جدید عدالتی نظام میں بھی اسلام کا قانون حدود اپنایا ہے۔ اس نظام کے تحت بھی ملزم کو شک کا فائدہ بطور استحقاق حاصل ہے۔ اسلامی قانونِ حدود کا یہ مزاج نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے مستنبط ہے:

((ادْرَءُوا الحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ))[35]

"جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ"

دوسری طرف اگر زنا کی شہادت اور اس کے طریق کار پر نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت زنا کی شریعت میں دو صورتیں ہیں:

1۔ چار چشم دید گواہ زنا کی شہادت دیں۔ 2۔ زانی خود اپنے جرم کا اقرار کرے۔

ان دو شرائط کے قابل اعتبار ہونے کے لیے بھی دیگر بہت سی شرائط ہیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت کا مقصد جہاں ایک طرف معاشرہ سے برائی کو ختم کرنا ہے وہیں حدود کو کم از کم جاری کرنے کی سعی کرنا بھی ہے، اسی لیے حدود خصوصاً حد زنا کے سلسلہ میں اتنی سخت شرائط رکھی گئی ہیں۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ ثبوت زنا کے یہ دونوں طریق کار

منصوص ہیں، اس لیے ان میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں ملتی، لہذا اگر شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد نہ کر کے اس کو لعان کا حکم دیا جائے گا، یا پھر کہ چار گواہ اس زنا کی گواہی دے دیں۔ اسی طرح اجتماعی آبرو ریزی میں بھی ڈی این اے ٹسٹ کا قطعاً اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ اجتماعی آبروریزی کے معاملے میں اس ٹیسٹ کا نتیجہ کمزور پڑ جاتا ہے، لہذا ایسی دلیل معتبر نہیں ہو گی۔

(د)ثبوت قتل اور ڈی این اے ٹیسٹ

اسلام میں انسانی جان کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے اور ناحق قتل کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ وَلاَ تَقْتُلُواْ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلاَّ بِٱلْحَقِّ ﴾[36]

"اور نہ قتل کرو اُس جان کو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔"

قتل ناحق پر قصاص کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ﴾[37]

"اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو (ناحق) مارے جائیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ))[38]

"اللہ تعالی کے نزدیک ساری دنیا کا تباہ ہونا ایک مسلم کے ناحق قتل سے کم تر ہے۔"

انسانی جان کی حفاظت کے لیے اسلام نے ہر ظلم و تعدی کو حرام قرار دیا ہے اور حریت فکر و عمل اور اظہار کو بھی حیات انسانی کی تقویت قیام کے لیے روا رکھ کر اسکی حمایت کی ہے۔ قانون کی مشینری اور حکومت کا نظام نہ صرف یہ کریں گے کہ قاتل کو پکڑیں گے بلکہ اس پر جرم کے اثبات اور ثبوت کے سلسلے میں ساری کارروائی بھی حکومت کے ذمہ ہے۔ معتبر شہادتیں ہی قتل کا ثبوت فراہم کریں گی۔ ڈی این اے ٹیسٹ کا حتمی ثبوتِ قتل میں اعتبار نہیں کیا جانا چاہیے، بلکہ قتل کے حوالہ سے اس طریق کار میں شکوک و شبہات زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لیے کہ جائے واردات سے جو نمونہ ملا ہے اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قاتل ہی کا ہے یا کسی دوسرے شخص کا، اس لیے قاتل کی شناخت میں ڈی این اے

ٹیسٹ شرعاً معتبر نہیں ہو گا۔ ہاں اصول مصلحت کے پیش نظر اسے ایک معاون کے طور پر لینے کی گنجائش قدرے موجود ہے۔

(ر)عدل و ثقاہت اور ڈی این اے ٹیسٹ

ڈی این اے ٹیسٹ اگرچہ حدود و قصاص کے معاملات میں معتبر نہیں ہے، لیکن گواہوں کی شہادت جانچنے اور ان کی ثقاہت و عدالت پرکھنے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کا استعمال کیا جانا چاہیے، اس لئے کہ شریعت نے گواہوں میں عدل و ثقاہت جاننے کے لیے جو شرائط رکھی ہیں ان کا دار و مدار غلبہ ظن یا یوں کہئے کہ حسن ظن پر ہے، چنانچہ عدالت کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

من اجتنب الكبائر ولم يصرعليالصغا ئر و غلب صوابه على خطئه و يجتنب الافعالالدالة على الدناءة و عدم المروءة كالبو ل في الطريق فهو عادل[39]

عدالت کی تحقیق کے لیے اس کی تعریف میں فقہاء نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ شاہد کی شہادت قابل اعتماد ہو، اس لیے کہ جو شخص مذکورہ صفات کا حامل ہو گا اس سے حسن ظن یہی ہے کہ وہ اپنی بات میں صادق ہو گا، اور دینی مزاج ہونے کی وجہ سے جھوٹ اور بہتان تراشی سے اجتناب کرے گا، بالفاظ دیگر شہادت میں اعتماد اور ثقاہت ہی اصل ہیں۔ اگر کسی شخص کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی گواہی بھی معتبر مان جاتی ہے، اسی لئے علامہ شوکانیؒ، امام الحرمین الجوینیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال الجويني:الثقة هى المعتمد عليها في الخبر فمتى حصلت الثقةبالخبر قبل[40]

اگرچہ حدود و قصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، لیکن گواہوں کی ثقاہت و عدالت جانچنے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کیا جانا چاہیے، لہذا اگر چار گواہ زنا کی گواہی دیں اور ڈی این اے ٹیسٹ سے زنا ثابت نہیں ہوتا، تو اس صورت میں گواہوں کی عدالت و ثقاہت مشتبہ ہو جاتی ہے اس لیے مصلحت کے اصول شرعی کے تحت ان کی گواہی پر حد جاری نہیں کی جانی چاہیے۔ آج کے دور میں تحقیق کے بہت سارے سائنٹیفک طریقے موجود ہیں جو مجرم کو اقرار پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اگر تحقیق سے ملزم، مجرم ثابت ہو جائے تو عدالت جرم کی نوعیت کے مطابق اسے تعزیری سزا دے گی۔

(س) سعودی عرب، شناختی کارڈ کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ لازمی قرار

بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی کے مطابق شناختی کارڈ کے اجراء کو ڈی این اے ٹیسٹ سے مشروط کرنے والا یہ قانون محکمہ احوال مدینہ اور علماء بورڈ نے مشاورت کے بعد ترتیب دیا ہے جو کہ وراثت کے مسائل کو بہ خوبی نمٹنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔

اس ترمیم شدہ لائحہ عمل میں واضح کیا گیا ہے کہ سعودی عرب کے شہری کو والدین کے انتقال کے بعد شناختی کارڈ بنوانے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ لازمی کرانا ہوگا اس کے بعد ہی وہ وراثت میں حصہ دار ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔

اس قانون کے تحت مقررہ عمر تک پہنچنے کے بعد شناختی کارڈ بنوانا لازمی ہوگا اگر 20 سال کی عمر کو پہنچنے کے باوجود شناختی کارڈ نہ بنوایا تو والد اور اگر والد فوت ہو چکے ہیں تو بڑے بھائی سے باز پرس کی جائے گی۔

تاہم یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ ایسی کسی صورت حال میں قومی شناختی کارڈ اس وقت تک جاری نہیں کیا جائے گا تاوقت یہ کہ وہ ڈی این اے ٹیسٹ نہ کرالے جس کے بعد ہی شناختی کارڈ جاری کیا جائے گا اور ترکہ کا حق حاصل ہو سکے گا۔[41]

عصرِ حاضر میں ڈی این اے ٹیسٹ پر شریعت کے اصول مصلحت کا اطلاق اور علماء کرام کے مواقف و فتاویٰ

مولانا ابو العاص وحیدی کی رائے

مولانا ابوالعاص وحیدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ثبوت نسب اور رفع نزاع دونوں کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ اور ان دونوں میں مصلحت انسانی بھی ہے، اس لیے اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے۔۔۔ قاتل کی شناخت کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ شرعاً جائز نہیں ہوگا، جیسے اگر جائے قتل کے پاس بال یا خون وغیرہ مل جائے تو معلوم نہیں کہ وہ قاتل کی نشانی ہے، سوال میں ڈی این اے ٹیسٹ کی اس کمزوری کا ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی یہ تکنیک اس درجہ کمال تک نہیں پہنچی ہے کہ معلوم ہو سکے کہ جو فارنسک نمونہ (Forensic Sample) جائے واردات سے اٹھایا گیا ہے وہ اسی ملزم کا ہے، اس طرح سے شبہ پیدا ہو گیا، لہذا اس بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دینا اسلام کے نظام حدود کے خلاف ہے۔۔۔ زنا کے ثبوت میں بھی ڈی این اے ٹیسٹ کا شرعی طور پر اعتبار نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ ٹیسٹ انسانی علم و تحقیق کا نتیجہ ہے جس میں علم و یقین بدرجہ اتم موجود نہیں ہے، اس لیے وہ خود موجب شبہ ہے، پھر واقعہ زنا بھی شکوک و شبہات سے گھرا ہوا ہے، فقہ شافعی اور فقہ حنفی وغیرہ میں ان شبہات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے، جیسے شبہ نکاح، اور زنا بالجبر وغیرہ، ظاہر ہے ڈی این اے ٹیسٹ کے

ذریعہ ان تمام شکوک وشبہات کی تحقیق نہیں ہو سکتی، پھر اس کی بنیاد پر ثبوت زنا کا وہ فیصلہ نہیں ہو سکتا جو حد جاری کرنے کا واقعی و شرعی سبب بن سکے۔[42]

مکہ فقہ اکیڈمی کا فتویٰ

ایک مجہول نسب بچہ کے سلسلہ میں کئی شخص دعویدار ہوں اور اس بچہ کے متعلق تمام دعویداروں کے دلائل مساوی درجہ کے ہوں تو دعویداروں کا ڈی این اے ٹیسٹ کر کے جنیٹک نشان پر اعتماد کرتے ہوئے بچہ کا نسب ثابت کرنا جائز ہے۔[43]

مفتی محمد عبد الرحیم قاسمی کی رائے

مفتی محمد عبد الرحیم قاسمی بھی بچہ کے نسب کو ثابت کرنے کے لیے اور جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ زانی پر اس ٹیسٹ کی بنا پر حد جاری کرنے کے خلاف ہیں۔[44]

مجمع فقہ اسلامی مکہ مکرمہ کا مؤقف

رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے ذیلی شعبہ ''مجمع فقہی اسلامی'' نے ڈی این اے سے استفادہ کے بارے میں بحث و تحقیق کے بعد درج ذیل موقف پیش کیا:

> اولاً: لا مانع شرعاً من الاعتماد على البصمة الوراثية فى التحقيق الجنائى ، واعتبار ها و سيلة اثبات فى الجرائم التى ليس فيها حد شرعى ولا قصاص ؛ لخبر ((ادرؤو الحدود بالشبهات))[45]
>
> "اول: شرعی طور جرائم کے ثبوت میں ڈی این اے پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اثبات جرائم میں اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ماسوائے حد شرعی اور قصاص کے کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود کو مؤخر کر دو۔ اور یہ مؤقف انصاف اور سماجی امن کو یقینی بناتا ہے، اور یہ وسیلہ مجرم کو سزا ملنے اور تہمت زدہ شخص کی بریت کی طرف لے جاتا ہے جو شریعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہیں۔"

اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ

اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۸، ۱۹ ستمبر ۲۰۱۳ء کو منعقد ہونے والے اجلاس میں بعض اہم امور پر بحث کی۔ ڈی این اے ٹیسٹ کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ خواتین کے ساتھ زیادتی کے مقدمات میں ڈی این اے کو شہادت کے طور پر قبول کرنے کی حمایت کی جائے گی۔

اسلامی نظریہ کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خاں شیرانی نے کہا کہ ڈی این اے ٹیسٹ مفید ایجاد ہے مسترد نہیں کیا۔ ڈی این اے ٹیسٹ تفتیش کی بنیاد بن سکتا ہے مگر حتمی ثبوت نہیں۔۔۔اسلامی نظریہ کونسل نے ڈی این اے ٹیسٹ کو معاون شہادت کے طور پر برقرار رکھا ہے۔۔[46]

ڈاکٹر عبد الباری عتیقی کی رائے

ڈاکٹر عبد الباری عتیقی نے ماہنامہ الشریعۃ میں ڈی این اے ٹیسٹ کو زنا کے ارتکاب کو ثابت کرنے کے لیے نہ صرف ایک یقینی ثبوت قرار دیا بلکہ اس کی ثقاہت کو قبول نہ کرنے والے علماء پر کڑی تنقید بھی کی۔ ان کا کہنا تھا کہ "یہی وجہ ہے کہ (DNA) ٹیسٹ جیسا تقریباً یقینی ثبوت بھی ہمارے علماء کی نظر میں ناقابل اعتبار ٹھہرتا ہے۔۔۔[47]

مفتی ثناءالہدیٰ قاسمی کی رائے

مفتی ثناءالہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی رائے میں اثبات نسب اور مجرموں کی شناخت کے سلسلہ میں ڈی این اے معتبر سمجھا جائے گا۔ لیکن زانی کی شناخت اور اجتماعی آبروریزی میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔[48]

خلاصہ بحث

مذکورہ بحث سے اخذ ہوتا ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے مصالح کے پیشِ نظر جرائم کے ثبوت میں ڈی این اے پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اثبات جرائم میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ماسوائے حد شرعی اور قصاص کے کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود کو مؤخر کردو۔[49] اور یہ مؤقف انصاف اور سماجی امن کو یقینی بناتا ہے، اور یہ وسیلہ مجرم کو سزا ملنے اور تہمت زدہ شخص کی بریت کی طرف لے جاتا ہے جو شریعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہیں۔ نیز افراد کی شناخت، ثبوت نسب اور حدود وجنایات وغیرہ سے متعلق مسائل میں بوقت ضرورت اس سے استفادہ کرنا شریعت کے اصولِ مصلحت کی روشنی میں جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ روزنامہ نوائے وقت، شمارہ 311، جلد 2، 7فروری 2018، ص 16

2۔ ایضاً

3۔ روزنامہ پاکستان لاہور، 6فروری 2018ء، ایڈیشن 2، ص 17

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً

6۔ ایضاً

7۔ روزنامہ نوائے وقت، شمارہ 311، جلد 2، 7فروری 2018، ص 16

8۔ ایضاً

9۔ سلفی ، مقبول احمد، زنا کی شہادت میں ڈی این اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت http://forum.mohaddis.com/threads/.35534/

10۔ ایضاً

11۔ الجوہری، العلامہ، ''الصحاح فی اللغۃ والعلوم''، دارالحضارۃ العربیۃ، بیروت، ط:۱، ۱۹۷۴ء، ۱/۲۹۷

12۔ الغزالی، ابی حامد محمد بن محمد، المستصفی من علم الاصول، منشورات الشریف الرضی، قم، ط:۲، ۱۳۶۲ھ، ۱/۲۸۶

13۔ ابن قیم الجوزیۃ، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۳/۱۳

14۔ مجددی، عمیم الاحسان، مفتی، قواعد الفقہ، ص ۴۴

15۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات، ح:۱۴۵۷

16۔ الکاسانی، ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ط2، دارالکتب العلمیۃ، بیروت—لبنان، ط:1406، 2ھ، ۲/۳۳۱، ۳۳۲

17۔ الغزالی، روضۃ الطالبین، المکتب الاسلامی، بیروت، ط:2، ۲/۲۰۴

18۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ۳/۲۱۵

19۔ الشافعی، الأم، باب دعوی الولد، ۶/۳۴۴

20۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۶۱/۱۰

21۔ ابن عبدالبر، الکافی، دار الکتاب العلمیہ بیروت، طبع اول، ص: ۶۴۹

22۔ قاسمی، ثمیر الدین، شرح الثمیری علی المختصر القدوری، 173/2

23۔ المرغینانی، ہدایہ، ۲۴۴/۳

24۔ ابن عبدالبر، الکافی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط: 1، ص: ۴۵۹

25۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۱۵/۵

26۔ الشربینی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج، دار الفکر بیروت، س ن، ۲۶۱/۲

27۔ ابن منظور، لسان العرب، بذیل مادہ ''قوف''، ۲۹۳/۹

28۔ ابراہیم ابن ضویان، منار السبیل، مکتبہ المعارف، ریاض، طبع دوم، س ن، ۴۳۳/۱

29۔ ابن عبدالبر، الکافی، ص: ۴۸۴

30۔ السرخسی، المبسوط، دار المعرفہ بیروت، سن، ۷۰/۱۷

31۔ السیوطی، الاشباہ والنظائر، ص: ۶۰

32۔ مجددی، قواعد الفقہ، قاعدہ: ۳۳، ص: ۵۹

33۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیہ، مطبعہ المدنی القاہرہ، ص: ۳۸۹

34۔ النور ۲۴: ۶

35۔ سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، ادرءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم، ح: ۱۴۲۴

36۔ الانعام، ۶: ۱۵۱

37۔ البقرہ، ۲: ۱۷۸

38۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما، ح: ۲۶1۹

39۔ ابن عابدین، حاشیہ ابن عابدین، دار الفکر بیروت، ط: 2، ۱۲۱/۷

40۔ الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول، ص ۹۸

41۔ Retrieved on01-04-2020 ،https://urdu.arynews.tv/dna-test-will-assential-for-getting-cnic-in-saudi-arab/

42۔ ڈی این اے ٹسٹ اور جینٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل، ص:۳۷۵

43۔ ایضاً، ص:۳88

44۔ ایضاً

45۔ ماہنامہ، محدث، شمارہ ۳۶۱ جلد ۴۵، جون ۲۰۱۳ء ص:۲۱

46۔ روزنامہ نوائے وقت، شمارہ ۱۷۹ جلد ۳۷، ۱۹ ستمبر ۲۰۱۳ء، ص:۸

47۔ ماہنامہ الشریعۃ، شمارہ 8، جلد 25، اگست 2013، ص 24

48۔ ڈی این اے ٹسٹ اور جینٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل، ص:۳64-366

49۔ مصنف ابن ابی شیبہ، باب فِي دَرْءِ الْحُدُودِ بِالشُّبُهَاتِ، ح:28497